خواجہ میر درد کے نظریۂ وحدت الوجود و وحدت الشہود کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محمد عمر، ریڈر شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۳)

شاہ غلام علی [متوفی ۱۸۲۳ء] نے لکھا ہے کہ نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود سیر و سلوک کے دو راستے ہیں۔ اور جس شخص نے ان دونوں مقامات کی سیر نہ کی ہو اس کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ ان دونوں راستوں کے تجربوں کو ہم آہنگ کر سکے۔ مراد یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ، وحدت الوجود کے مقام سے آگے کی منزل کی طرف نہ بڑھ سکے تھے اس لیے وہ وحدت الشہود کے مقام تک نہ پہنچ سکے تھے[1]۔

شاہ فخر الدین دہلوی اٹھارہویں صدی کے ایک بلند مرتبت چشتی سلسلے کے صوفی بزرگ تھے اور اس سلسلے کی روایت کے مطابق وہ نظریۂ وحدت الوجود کے پیرو تھے۔ چوں کہ اس عہد میں نظریۂ وحدت الوجود و شہود کے مسئلے کے بارے میں بڑے زوروں پر مباحث چل رہے تھے اس لئے انھوں نے بھی نظریۂ وحدت الوجود کے موضوع پر ایک رسالہ

---

[1] مقامات مظہریہ۔ ص : ۸۱

لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس خیال سے: "کہ لوگ مجھ کو بدنام کریں گے" انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا۔

ایک موقع پر شاہ فخر الدین نے شیخ اکبر کے نظریۂ وحدت الوجود کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا تھا اور فرمایا تھا:

"شیخ اکبر کے مطالب کو لوگ بالکل نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لیے لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق توحید کا مطلب کچھ سے کچھ سمجھ رکھا ہے۔ شیخ اکبر کا مقصد کچھ اور ہے ... شیخ اکبر کی عبارت کو لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ان کا عقیدہ خراب ہو گیا ہے۔ اور شیخ اکبر کی عبارت سے صاف و واضح مطلب نکالنا بھی مشکل ہے۔ جب تک، پوری کتاب کا [بڑے غور سے] مطالعہ نہ کیا، مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مثلاً: ایک جگہ پر شیخ اکبر نے ایک چیز کو بیان کیا ہے۔ اس کے تین، چار ورقوں کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر کا طرز بیان اسی طرح کا ہے"[1]

شاہ رفیع الدین [متوفی ۱۸۳۳ء] بن شاہ ولی اللہ نے ۱۷۷۱ء میں کلمات الحق کے جواب میں دفع الباطل نامی ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انھوں نے مدلل انداز میں یہ ثابت کیا تھا کہ نظریۂ وحدت الوجود، ایک صحیح نظریہ ہے اور یہی اسلام کی حقیقت ہے اور تمام مشہور و معروف صوفیائے کرام سلف اس کا ذوق رکھتے تھے۔ جبکہ نظریۂ وحدت الشہود ایک نیا نظریہ ہے جو مجدد الف ثانی نے پیش کیا تھا جنھوں نے ابن عربی کے دلائل کو نہ سمجھا تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وحدت الشہود کا نظریہ، وحدت الوجود کے نظریہ سے بالکل

---

[1] ملفوظات وحالات شاہ فخر دہلوی۔ ص: ۱۰۸ – ۱۱۰

الگ اور اس کی ضد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریۂ وحدت الوجود کو ایک بنیادی اصول مانا جانا چاہیئے اور اس کی روشنی میں نظریۂ وحدت الشہود کی وضاحت کی جانی چاہیئے جیساکہ شاہ ولی اللہؒ نے کیا تھا۔[۱]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی [متوفی ۱۸۱۰ء] نے بھی ایک مکتوب میں خالق اور مخلوق کی نسبت اور نظریۂ وحدت الوجود وشہود کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور انھوں نے نقشبندی مجددی روایت کے مطابق نظریۂ وحدت الوجود کی تردید کی ہے اور نظریۂ وحدت الشہود کو ٹھیک بتایا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے وحدت الشہودی صوفیائے کرام کے استدلال کو پیش کیا ہے، یعنی ممکن اور واجب ایک نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ ممکن اپنے وجود کے لئے واجب کا محتاج ہے۔ کوزہ اور کلال کی جو مثال نظریۂ وحدت الوجود کو ثابت کرنے کے لئے دی جاتی ہے وہ نظریۂ وحدت الشہود کو ثابت کرنے کے لئے صادق نہیں آتی۔ اور ممکن، واجب تعالیٰ کے ظل کی مانند ہے جیسے کہ آفتاب کو روئے زمین پر ظلِ آفتاب کہتے ہیں نہ کہ اس معنی میں کہ ممکن اور واجب میں مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس جگہ ظل کو اصل کے ساتھ کسی قسم کی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے اور ان کثیر مظاہر میں وہ خود بخود موجود ہے لیکن ان سے الگ تھلگ بھی ہے ـــــ وحدت الوجودی حالتِ سکر میں اس وہمی کثرت کو عین واجب کہتے ہیں اور اس کے ذاتی عدم پر نظر نہیں کرتے اور وہ "ہمہ اوست" کے قائل ہو گئے ہیں۔ مجدد الف ثانی کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن اور واجب میں خالق اور مخلوق کی نسبت ہے ہے۔[۲]

اس پس منظر میں میر دردؔ کی تصنیف "علم الکتاب" کے وارد ۱۰۴ کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا

---

[۱] مجدد کا نظریۂ توحید [انگریزی] ص: ۱۶۳-۱۶۴۔

[۲] کلماتِ طیبات۔ م: ۱ ص: ۹۹-۱۰۰، نیز ص ۳۲-۳۴۔

ہے جس کو پڑھکر قارئین خود یہ اندازہ لگا سکیں کہ انھوں نے نظریۂ وحدت الوجود و وحدت الشہود کے بحث میں کیا اضافہ کیا۔

وارد ۱۰۴

وحدت وجود و شہود اور توحیدِ محمدی کی طرف دعوت کے بیان میں[1]:

وحدت[2] وجود[3] اور شہود کا لفظ صوفیہ کی اصطلاحات اور ان کی اختراعات میں

---

[1] اس وارد کے ترجمے میں میں نے ڈاکٹر عبدالعلیم خاں، ریڈر شعبۂ دینیات سے مدد لی ہے، میں ان کا شکر گزار ہوں۔

[2] وحدت تعین اول، یعنی حقیقتِ محمدی کا نام ہے۔ اُسے علمِ اجمالی، حسب ذاتی اور برزخ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے علم الکتاب۔ ص: ۱۲۲۔

[3] وجود کے معنی ہستی کے ہیں، یعنی حق تعالیٰ کا وجود جو خود بخود موجود ہے۔ اور بذات خود قائم اور اپنی ذات میں قائم و دائم ہے۔ چاہے باطن کا مرتبہ ہو یا ظاہر کا۔ اور ایجادِ اضافت سے مراد اللہ تعالیٰ کا وجودِ ظلی ہے۔ لہٰذا وجود ایک نور ہے جو خود بخود روشن ہے، ظاہر ہے اور مرتبۂ ایجاد کی طرح دوسری چیزوں پر جب اس کے نور کا پَرتو پڑا ان کو بھی منور اور ظاہر کردیا۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۰۴، ۵۸۰؛ اصطلاحاتِ صوفیہ۔ ص: ۱۶۰-۱۶۱، ۱۶۷۔ قرآن و حدیث میں لفظ وجود کا استعمال نہیں پایا جاتا ہے بلکہ لفظ نور آیا ہے۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۰۷۔

وحدت الوجود۔ یعنی جملہ موجودات کا وجود ایک ہے۔ سلوک کی یہ ایک ایسی منزل ہے جہاں سالک پر وحدت الوجود کا انکشاف اس طرح ہوتا ہے کہ ذاتِ واحد، وجودِ مطلق کو ہر ذرہ میں عیاں دیکھتا ہے۔ اس کو وحدت فی الکثرت بھی کہتے ہیں۔ [illegible] اس کے یہ دو مرتبے ہیں۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۸۴-۱۸۵۔

سے ہے ۔ حضورِ پرنور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ میں اس طور پر اُس کا ذکر نہیں ملتا ۔ اور توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی[1] جیسے کہ آج کل صوفیہ کے درمیان بحث کے دو علیٰحدہ موضوع بنے ہوئے ہیں، سِرے سے اس زمانے میں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ نفسِ توحید[2]، جو توحیدِ مطلق سے عبارت ہے اُسی کا اظہار اجمالی وکلّی طریقے پر کیا جاتا تھا۔ توحید کی جزئیات سے تفصیلی بحث نہیں کی جاتی تھی ۔ اور وجودیت و شہودیت کی قیود کی یہ کثرت جو لوگوں کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، نمودار نہ ہوئی تھی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت توحید کا مطلب و معنی کا بیان کرنے والا صرف فردِ واحد تھا یعنی جناب ہدایت مآب رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور دوسرے تمام لوگ یعنی صحابہ آپؐ کے پیرو و تابع تھے ۔ وہ لوگ دینی معاملات میں اپنی رائے کو ہرگز دخل نہیں دیتے تھے اور جس بات کو سنتے تھے سمعنا و اطعنا اس پر یقین رکھتے تھے اور شبہ، اعتراض، دلیل و بحث سے

---

[1] شہود ۔ رویتِ حق بحق ۔ یعنی جملہ کائنات اور جمیع موجودات کو عین حق بمرتبۂ حق الیقین سمجھنا ۔ اور جمیع اعتبارات غیریت کو اٹھا دینا اور ہر ذرّہ میں ذات واحد کو اور ذات میں جملہ موجودات کو بصفت عینیت دیکھنا ۔ اصطلاحات صوفیہ ۔ ص : ۸۰ ۔ ۸۱ ۔

وحدت الشہود ۔ سالک ان منزلوں کو طے کر کے آگے بڑھتا ہے اور توحید اخص الخاص کے مزے لیتا ہے تو حقیقت کی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سوا کوئی دوسرا حقیقی وجود نہیں ہے ۔ سب موجودات اس کا ظل یا سایہ ہیں ۔ علم الکتاب ص : ۱۸۵

[2] میر دردؔ نے توحید کی وضاحت اس طرح کی ہے ۔ لان المعدوم لا یصلح ان یکون موجود وحدہ لا شریک لہ، یعنی وہ وجود ایک ہے، اور کوئی شے اس کی شریک نہیں ہے ۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو ۔ علم الکتاب ۔ ص : ۱۸۵ ۔

کام نہیں لیتے تھے۔ حضرت رسول علیہ السلام ہر سننے والے کے حال کے مناسب اور اس کی استعداد کے مطابق توحید کے مطالب کو اس طریقے سے بیان فرماتے تھے جو اس شخص کے حال کی اصلاح اور اس کے انجام کے لئے مفید ہوتا تھا نیز مطابق واقعہ بھی ہوتا تھا۔ لہذا اسی کے پیشِ نظر توحید کے اس واحد مطلب اور معنی کو، جو اصلِ ایمان ہے، آپؐ نے طرح طرح سے بیان کیا اور ہر فرد کی قوتِ دید کی مناسبت سے اس کی نظر سے پردہ اٹھادیا۔ اُسی انداز سے اس نے توحید کا مطلب تابعین کے سامنے بیان کیا۔ پھر اس شخص نے جس طرح خود سرور کائنات کی صحبت سے بلا واسطہ اطمینان و یقین کا استفادہ کیا تھا! اس کے علاوہ دوسرے معتبر لوگوں سے اس نے مختلف عبارتوں پر مشتمل جو حدیثیں سنیں ان سب کی تاویل اسی مفہوم کے لحاظ سے کی جو اس نے خود سمجھا تھا۔ یہی صورت حال تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں بھی رہی۔ چناں چہ ہر شخص سرورِ کائناتؐ کے دوسرے تمام فرمودات کو اس مفہوم پر محمول کرتا تھا جو اس نے اپنے معتبر راویوں سے سنا اور سمجھا تھا۔ لیکن جب ایک طویل زمانہ گذر گیا اور اُس بُعدِ زمانی نے تغیر پیدا کر دیا اور ساتھ ہی اس کیفیت کی قوت میں ضعف پیدا ہوگیا جو سلسلہ وار بطون [لوگوں کے باطن میں] منتقل ہوئی تھی اور اکثر و بیشتر حدیثوں کی صرف روایت باقی رہ گئی تھی تو اس زمانہ میں آکر بعض صاحبِ عقل و دانش ایمان والوں نے جو حکیمانہ صلاحیت کے بھی مالک تھے، اپنی قوتِ فکریہ کے ذریعہ اور قرآنی آیتوں اور حدیثوں سے بھرپور جد و جہد کے بعد جو کچھ استنباط کیا اُسے بیان کیا، اور اس استنباط کردہ اُمور کا نام انھوں نے معارف رکھا۔ انھوں نے توحید مطلق کو توحید وجودی میں مقید کر دیا اور وحدتِ وجود کے قائل ہوگئے اور اس مسائل کی تفصیل کو علم تصوف[1] کے نام سے موسوم کیا۔ اس جماعت کے اکابر کو صوفیہ

---

[1] علم تصوف: ایک علم توحیدی ہے۔ اس کے جاننے کی چند واردات جن کی تربیت سے اس کا نتیجہ مرتبۂ وجود کی وحدت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور اہل باطن کہتے ہیں۔ یہ بات شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ ان اکابر صوفیہ کے قلوب پر نسبتِ ولایت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور انھیں خدا کا قُربِ عام عطا کیا گیا۔ ان کے علاوہ بعض ایسے خالص ایمان والے جن کی فطرت میں ایمان کا نور پوری قوت کے ساتھ رکھ دیا گیا تھا، آیتوں اور حدیثوں کے پردے سے جو معنی انھیں مشہود ہوئے، اُنھیں اسی نور کی روشنی میں بیان کیا اور انھیں اسرار کا نام دیا۔ ان لوگوں نے توحیدِ مطلق کے مفہوم پر توحیدِ شہودی کی قید کا اضافہ کیا اور وحدتِ شہود کے قائل ہوگئے۔ اس سے متعلقہ مسائل کی تفصیل کا نام انھوں نے علمِ حقائق رکھا۔ اس جماعت کے بڑے لوگوں کو محقق کہا جاتا ہے اور انھیں اہل اللہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کمالاتِ نبوت کا دروازہ ان کے بواطن میں کھول دیا گیا ہے اور انھیں قربِ خاص تک رسائی بخشی گئی ہے۔ صاحبِ ایمان سادات میں سے بعض حضرات ایسے تھے جن کی استعداد [صلاحیتوں] کے افق پر خالص محمدیت کا وہی آفتاب طلوع ہوا اور محمد کی جامعیت کی اسی صبح کا ظہور ہوا۔ عالم کو روشن کرنے والے اسی آفتاب کے نور کی مدد سے جو خورشید عالم تاب ہے آیاتِ قرآنی اور حدیثوں میں اللہ اور رسول کی جو مراد ہے اسے روشنی میں لائے اور ان مفاہیم کو تحریر و تقریر کے ذریعہ بیان کیا۔ یہ لوگ اُسی توحیدِ محمدی کے قائل ہوئے جو توحیدِ مطلق ہے۔ اور وحدت وجود و شہود کی اِن نکلی ہوئی شاخوں کو پھر اُسی ابتدائی اصل میں ملا دیا اور اس کے مسائل کو علم الٰہی محمدی کے نام سے موسوم کیا۔ اس سلسلے کے بزرگوں کو محمدیان خالص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صوفیاء اس علم کو علمِ تصوف کہتے ہیں اور اس مطلب کو سمجھانے کے لیے انھوں نے چند مثالیں قائم کی ہیں۔ مثلاً آب و موج، حباب وغیرہ۔ برائے تفصیل دیکھئے: علم الکتاب۔ ص: ۱۸۴

اور نعلین رسول اللہ کے اہلِ بیت[1] میں شمار کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ بابِ مدینۂ علم[2] اور نسبت محمدیت اُن کے بواطن میں کھول دی گئی ہے، اور انہیں اخص الخاص قرب سے نوازا گیا ہے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم [اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے]

اس توحید مطلق کا تفصیلی بیان، جو اپنی جامعیت اور شمولیت کی بنا پر توحید کی ان دونوں شاخوں پر حاوی ہے اور جو کہ اپنی حقیقت کے پیش نظر اُن دونوں [شاخوں] سے اعلیٰ اور دقیق ہے، اسی وارد کے متن اور اس کی شرح میں تفصیل سے آئے گا۔ بعون اللہ العلیم وھو الہادی الی الصراط المستقیم [اللہ کی مدد سے وہی صراط المستقیم کی کی طرف ہدایت دینے والا ہے]

یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ توحید وجودی کے ماننے والے اکثر صوفیہ اپنی عقل و وجدان کے تابع ہوتے ہیں۔ پہلے درجے میں وہ لوگ اپنی دریافت پر اعتماد کرتے ہیں اور دوسرے درجے میں عقل کے ضمن میں وہ رسول علیہ السلام کا کمزور اتباع کرتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث کے مطالب کو اپنے ذوق اور مذاق پر محمول کرتے ہیں۔ اور

---

[1] اہلِ بیت سے مراد آنحضرت رسول کریم کی اولاد اور ذریات، یعنی فاطمہ زہرا کی اولاد۔

[2] رسول کریم کی ایک حدیث ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باب مدینۃ العلم کہا گیا ہے۔ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے میر دردؔ نے لکھا ہے کہ آنحضرت رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کے لیے جو باب کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہے اور قیامت تک اس کا فیض جاری رہے، نہ یہ کہ یہ دروازہ بند ہو جائے۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۵۵۔

حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے کہ انھیں شریعت سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ انھوں نے جو کچھ سمجھا اور محسوس کیا، ان کے نزدیک وہی ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اصلاً شریعتِ محمدی کا اتباع ان کا مطمح نظر نہیں۔ اپنے خیال میں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقت نفس الامری کا ادراک[1] ہوا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ کسی شخص پر توحید کی حالت طاری ہو یا نہ ہو، ہمارا مقصد تو اس مسئلہ کی تحقیق کرنا ہے کہ از روئے واقعہ ممکن[2]، واجب[3] کا عین[4] ہے یا اس کا غیر[5]، اور یہ کہ مخلوق عین خالق ہے یا اس کا غیر۔ اس امر

---

[1] ادراک: لغوی اعتبار سے کسی بات کو معلوم کرنا، کسی شے کو پانا۔ اصطلاح صوفیہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کو پالینا، اس سے مل جانا، ادراک ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: بسیط و مرکب۔ ادراک بسیط یہ ہے کہ سالک حق سبحانہ کی معرفت میں ایسا غرق ہو جائے کہ اسے بندہ اور مولا کی اضافی نسبت کا شعور باقی نہ رہے۔ ادراکِ مرکب یہ ہے کہ سالک کو حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہو، اور اس اضافی نسبت کا شعور بھی باقی رہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳؛ نیز علم الکتاب: ص: ۱۲۴۔

[2] عالمِ ارواح: عالمِ مثال اور عالمِ اجسام کو ممکن یا ممکنات کہتے ہیں۔ اصطلاحاتِ صوفیہ: ص: ۱۳۲۔

[3] واجب: وہ ہے جو اپنے وجود و بقا میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو، ظاہر ہے کہ بجز ذات حق سبحانہ تعالیٰ کے کوئی شے واجب نہیں ہے کیونکہ جملہ کائنات و موجودات وجود و بقا میں ذات سبحانہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اصطلاحاتِ صوفیہ: ص: ۱۶۰۔

[4] عین: سالک کا اپنی ہستی و خودی کو مٹا کر ذاتِ حق میں محو ہو جانا اور باقی باللہ ہو جانا، عین کہلاتا ہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۰۰، ۱۰۱۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے ادراک کے سلسلے میں یہ لوگ اپنی عقل کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں اور عقلی دلائل کے سہارے راستہ طے کرتے ہیں اور ایمان کی کشتی بزور اپنے ساتھ گھسیٹتے ہیں لیکن ایمان سے اپنا رشتہ پورے طور پر توڑ لینا اپنے حق میں قرین مصلحت نہیں سمجھتے کیونکہ بہرحال اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں اور بالفعل بظاہر مومنین کی جماعت میں داخل ہیں بھی۔ شہودی صوفیہ میں سے اکثر شریعت کے تابع ہوتے ہیں اور پہلے درجے میں اصلاً وہ لوگ شریعت کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں اور دوسرے درجے میں شریعت کے ضمن میں جس حد تک ہوسکتا ہے اپنی عقل کا دخل بھی روا رکھتے ہیں اور سمجھی ہوئی اپنی باتوں کو آیاتِ قرآنی اور حدیثوں کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ درحقیقت جیسے انھیں عقل سے کوئی سروکار نہیں۔ خدا اور رسول نے جو کچھ فرمادیا وہ سب کچھ ان کے نزدیک ثابت شدہ ہے اور فی نفسہ عقل کا اتباع کرنا جیسے کہ انھیں ہرگز ملحوظ نہیں۔ یہ حضرات اپنے باطن [دل] میں اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ امر واقعی ہے، خدا اور رسول نے اس کی خبر دیدی ہے۔ وہ اس بات کو نہ دل سے مانتے ہیں کہ اخبار شرعیہ کی تحقیق کے سلسلے میں ہماری عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عقلی قوت کے ذریعہ اس مسئلے کی تحقیق کہ واجب اور ممکن ایک دوسرے کی عین ہیں یا غیر، سرے سے ہمارا مقصد نہیں۔ اس امر کے ادراک کے لیے یہ حضرات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میر دردؔ نے لکھا ہے کہ اس کے معنی حقیقت کے ہیں اور صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو حقائق موجودات وصور علمیہ اور ایمان ثابتہ اور مرتبۂ واحدیت کہتے ہیں۔ حکماء اسے ماہیت کہتے ہیں۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۰۴۔

۵ غیر، غیریت: جملہ موجودات بنظر حقیقت عینِ ذاتِ سبحانہ ہیں۔ اور باعتبارات رسوم و صفات وافعال ایک دوسرے کی غیر ہیں۔ غیریت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۰۱۔ ۱۰۲۔

کلام اللہ کی آیتوں اور حدیثوں کی عبارتوں کے سیاق وسباق کو اپنا رہنما مانتے ہیں، ایمان کی روشنی میں راہ طے کرتے ہیں اور عقل کی ہستی کو کوشش کر کے زبردستی سے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہیں۔ یہ لوگ عقل سے اپنا تعلق کلی طور پر منقطع کر لینا اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ بہرحال اپنے آپ کو صاحبِ عقل وہوش کہلاتے ہیں۔ اور بالفصل ظاہری طور پر عُقلا کی جماعت میں شامل ہیں بھی۔ اصل حقیقت، تو یہ ہے کہ شرع میں ہر شخص پر بلا اس کے ارادے کے خدا کی طرف سے کوئی بات ثابت ہو جاتی ہے اور دلائل اس کے بعد سامنے آتے ہیں لہذا جن کو عقل کے تابع بنا دیا گیا، بنا دیا گیا۔ اب ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ اس پابندی سے آزاد ہو جائیں، جنھیں نقل کے تابع کر دیا، کر دیا۔ اب ہرگز وہ اس کی حد سے باہر نہیں نکل سکتے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ بِالْاِیْمَانِ [اللہ تعالیٰ تم پر ایمان کے ذریعہ احسان کرتا ہے]

چناں چہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے توحیدِ مطلق کا آفتاب، جو توحیدِ محمدی ہے، اگر قلب پر جلوہ گر ہو، اور سچا مفہوم دن کی طرح تم پر روشن ہو جائے تو توحید کی یہ کثیر شاخیں[۱] تمہارے تمہارے وقت میں خلل انداز نہ ہوں گی اور ذہن کو پراگندہ نہ کریں گی۔ وَاللّٰہُ یَجْتَبِیْ مِنْ عِبَادِہٖ مَنْ یَّشَاءُ [اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے]

رباعی:

اے بے خبر از ہستی ہست مطلق	نہ گرفتہ از کتابِ توحید سبق
کثرت نہ کند ترا پریشان چو شود	نصب العین تو معنیٔ واحدِ حق

---

[۱] وقت وحال سالک کے حاضر زمانے کو کہتے ہیں جو زمانہ گذر گیا وہ ماضی ہے۔ اس کی فکر ہی کیا۔ جو آئندہ آنے والا ہے، وہ مستقبل ہے، اس کا کیا اعتبار۔ موجودہ حاضر زمانے کو بیکار نہ کھونا چاہیئے، یہی وقت کہلاتا ہے۔

[اے مخاطب تو جو وجودِ مطلق کی ہستی سے بے خبر و ناواقف ہے، تو نے توحید کی کتاب کا کوئی سبق نہیں پڑھا ہے۔ اگر تیرا نصب العین حق ہو جائے جو معنی واحد ہے تو تجھے یہ کثرت پریشان نہ کرے گی]

اے وہ شخص جو نفسِ وجود کے مرتبۂ اطلاق کی موجودیت سے جو موجودات کی حقیقت ہے، جو بذاتِ خود اعرف المعارف [سارے معارف کے نچوڑ کی حیثیت سے مشہور] ہے، سبق نہیں پڑھا ہے اور اس اعلیٰ ترین مرتبہ کی ذاتی وحدت سے نابلد ہے اور کوئی[1] قید و بند اور اضافتوں میں اے گرفتار لوگو اس دنیا کی یہ اعتباری اور متکثرہ صورتیں[2] تجھے پراگندہ خاطر نہ کریں گی اور نہ تجھے اپنی طرف متوجہ کریں گی۔ تمھارے دل کو پریشان اور مشغول نہ کریں گی بشرطیکہ حق تعالیٰ کے وجود کا یہ واحد مفہوم اگر اچھی طرح تیرے ذہن نشیں ہو جائے اور تیرے دل میں گھر کرلے اور اللہ تعالیٰ کے حضور[3] و شہود[4] کا دوام[5]، ہمیشگی تجھے حاصل ہو جائے۔

---

[1] صور متکثرہ اعتباریہ: صور، صورتیں، اعیان ثابتہ کو کہتے ہیں یعنی جو علم الٰہی میں حقائق عالم کی تمام صورتیں محفوظ ہیں اور صور علمیہ کو حقائق الاشیاء بھی کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ: ص: ۵

[2] ہر موجود شے کو کون کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ: ص: ۱۲۲۔

[3] خلق سے بے زار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونا۔

[4] رویتِ حق بحق یعنی جملہ کائنات اور جمیع موجودات کو عینِ حق بمرتبۂ حق الیقین سمجھنا اور جمیع اعتباراتِ غیریت کو اٹھا دینا اور ہر ذرہ میں ذاتِ واحد کو اور ذات میں جملہ موجودات کو بہ صفت عینیت دیکھنا۔ اصطلاحاتِ صوفیہ: ص: ۸۰-۸۱۔ میر درد نے ان دونوں اصطلاحوں میں بہت ہی باریک فرق بتایا ہے۔ حضور سے مراد واحدِ حقیقی سے آگاہ ہونا جو سالک میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شہود و مشاہدہ، قرب و معیتِ قویہ جو قرار پاتی ہے۔ اور دائمی ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۱۳۔

[5] دوام: ہمیشہ قائم رہنے والی شے اور حالت۔

نیز اللہ تعالیٰ کی طرف بے چونی[1] اور بے کیفی[2] کے ساتھ توجہ[3] حاصل ہو جائے۔ مزید برآں دنیوی صورتوں کے یہ نقوش تیرے دل سے محو ہو جائیں اور حق تعالیٰ کے علاوہ تیرے دل میں کچھ باقی نہ رہے۔ توحید اسی حالت کے حاصل ہو جانے کا نام ہے اور اِنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ [اور تمہارا خدا، ایک خدا ہے] کی آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ حق تعالیٰ کو ایک جاننا چاہیے اور اس کے سوا ساری چیزوں سے خود کو آزاد کر لینا چاہیے اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرکے خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت بجا لانا چاہیے۔

توحید پر بحث کے بارے میں، عارفوں اور اولیاء اللہ کے، اپنے مذاق کے مطابق مختلف بیانات اور کثیر تعداد میں تحقیقات ہیں۔ اور اس ایک مفہوم کی وضاحت کے بارے میں یعنی مرتبۂ وجود سے متعلق ان کی عبارتیں بھی مختلف ہیں اور اختلافات کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ متقدمین اور متاخرین میں سے بعض لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور ہمہ اوست [وہی سب کچھ ہے] کا کلمہ کہنے پر جرأت دکھاتے ہیں۔ لیکن اہل سلف اور خلف ہی میں سے بعض لوگ وحدت الشہود کا اقرار کرتے ہیں۔ اور ہمہ از اوست [سب کچھ اسی سے ہے] کہتے ہیں[4]۔

---

[1] بے چونی: بے مثل، جس کا کوئی ہمسر نہ ہو، مراد خدا تعالیٰ۔

[2] بے کیفی: کیف بمعنی نشہ و مستی۔ بے کیف، وہ حالت جس میں ہوش و حواس درست صورت میں رہیں۔

[3] توجہ: اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی قلبی طاقت دوسرے کے دلوں پر ڈالنی اور اُن کو اپنے اختیار میں لانا اور دوسرے یہ کہ اپنے وجود کو نابود کرنا یعنی اپنی خودی کو مٹانا اور صرف ذات حق تعالیٰ کو موجود اور حق جاننا۔ اصطلاحاتِ صوفیہ: ص: ۳۲۔

[4] نیز دیکھیے۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۸۸۔۱۸۹۔

وقد جئتکم بارسالی الحق بالحکمۃ البالغۃ ولابین لکم من الاسرار بعض الذی یختلفون فیہ بمقتضی استعداد اتکم الجزئیۃ القاصرۃ واللہ یحکم فیما کنتم فیہ تختلفون وھو احکم الحاکمین [اور وہ کہتے ہیں کہ میں بے شک تمھارے پاس حق کو پہونچانے کے لئے حکمت لے کر آیا ہوں اور تمھارے لئے بعض ایسے امور کو تمھاری استعداد کے مطابق بیان کروں گا جن میں وہ لوگ [یہود و نصاریٰ] اختلاف کرتے ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں تم اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا وہ حاکم الحاکمین ہے]

لہٰذا یہ بات جاننی چاہئے کہ یہ سب لوگ جو آپس میں تنازع کر رہے ہیں اگر انصاف کی نظر سے غور کریں، تعصب کی رگ کو حرکت میں نہ لائیں تحقیق کی نظر سے اچھی طرح سے دیکھیں اور کسی فریق کی جانب داری نہ کریں تو انھیں معلوم ہوگا کہ اہل وجود ہوں یا اہل شہود دونوں فریقوں کا مآل کار ایک ہی ہے اور ان میں باہم صرف لفظی نزاع ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نسبتوں کے قائلین کے حال[1] کی کیفیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سب کا ما حصل کی گرفتاری سے قلب کو آزاد کرنا اور حق تعالیٰ تک رسائی یا وصل[2] حاصل کرنا ہے کیونکہ توحید وجودی کا حاصل اور اس تحقیق کا انجام کار بھی یہی ہے کہ شہود میں بھی غیر نظر نہ

---

[1] حال: سالک کے دل پر جو کیفیات بلا کوشش محض اللہ کی طرف سے وہبی طور پر وارد ہوں۔

[2] سیر وسلوک کی ایک منزل ہے جس میں بندہ کو اللہ تعالیٰ کا وصل نصیب ہوتا ہے۔ وصول یہ ہے کہ واصل کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور موصول اللہ کے علاوہ کسی چیز کا وجود باقی نہ رہے۔ یہ وصل حقیقی ہے اور اتحادِ حقیقی۔ موجودات ممکنہ میں سے کسی کو کبھی یہ وصل نہ تو نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ علم الکتاب، ص: ۱۴۱

آئے، توحید شہودی جلوہ فرما ہو جائے اور مشاہدہ کی یہ حالت پیدا ہو جائے، ورنہ زبان سے ایک کہنا اور دل میں دو سمجھنا بے کار ہے۔ گفتگو میں موجودات معلومہ[۱] کی نفی کرنا اور دل پر صُور کونیہ کے نقوش کو منقش رکھنا کسی راستے کو نہیں کھولتا۔ توحید شہودی کا کمال اور اس کے قائل ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وجود میں غیر کا مشاہدہ نہ ہو، ورنہ یہ کیا توحید ہوئی کہ تمام امور کا سرچشمہ تو اسے سمجھا جاتا ہے لیکن موجودات کے وجود کو جو اُن تمام اُمور کا اصل ہے وجود حق کا غیر تصور کر کے کثرتِ موجودات کا مشاہدہ کیا جائے بلکہ وحدت الشہود کا ماحصل ہی یہی ہے کہ تمام موجودات کا وجود ایک وجودِ مطلق کے نور میں گم ہو جائے۔ کثرتِ اعتباریہ، شہود میں مُخل نہ ہو اور کسی بھی صورت میں اُن کا وجود نظر میں نہ آئے اور سب کچھ ایک ہی وجود کے نور میں ظاہر ہو [؟] اس حالت کے پیدا ہوئے بنا اور اس کیفیت کے حاصل کئے بغیر [؟] چاہے وہ توحیدِ وجودی کا قائل ہو یا توحید شہودی کا، مجبور ہے۔ مقلد، بیہودہ گو اور اہل قال لوگوں کے گروہ میں شامل ہے اور صحیح مذاق رکھنے والوں، صاحبانِ حال اور باکمال حقیقت شناسوں سے دور ہے اور ایسے شخص کی عالم حقیقت تک رسائی نہیں۔ کامل محققین جو صاحب نظر ہیں اور ہر امر کی حقیقت کو ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسی کہ وہ ہے، ان دونوں مفاہیم سے واقف ہیں۔ وہ وحدت الوجود کے سِرّ کو بھی جیسا چاہیے سمجھتے ہیں اور وحدت الشہود کی حقیقت کو بھی کماحقہ جانتے ہیں۔ نفسِ وجود کی وحدت میں، جو واجب کے ساتھ مخصوص ہے، کیا شک ہو سکتا ہے اور اس میں تردد کی کیا گنجائش ہے کیونکہ وجود مفہوم واحد ہے، اور موجودات کے ظہور سے ان میں تکثیر و تعدد نہیں پیدا ہوتا۔ اہل کشف و برہان کے نزدیک لفظ وحدانیت کے قائل ہیں۔

---

[۱] موجودات سے عبارت ہیّیات مکشفہ اور حقائق موجودہ ہے۔ موجودات معلومہ، مظاہرِ قدرت جن کا علم حاصل ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۰۵

یہ اشتراکیت لفظی اشتراک نہیں جیساکہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے کہ مرتبۂ موجودہ میں دوسرے وجود کا وہم کیا جائے، وحدہٗ لاشریک لہ [اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں]۔ حقائق اور وجود کے درمیان ایسی غیریت ہے جو بدیہی ہے۔ اس کے بارے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور اس میں سوچ بچار کی کہاں گنجائش ہے۔ چوں کہ ماہیت ایک دوسری چیز اور جداگانہ مفہوم ہے اور وجود ایک علٰحدہ چیز اور مختلف مفہوم ہے۔ اگر وجود کا مابہ الموجودیت [یعنی جس کے ذریعہ کوئی شے موجود ہوتی ہے] کے مفہوم میں لیا جائے تو اس مفہوم کے اعتبار سے اگر وجود ماہیت وحقیقت کا عین ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ممکن بھی واجب ہوجاتا اور کسی حال میں بھی معدوم نہ ہوتا۔ ان صوفیہ کے نزدیک جنھوں نے وحدت الوجود کے بارے میں اپنی زبان کھولی ہے۔ حقائق ممکنہ اور ماہیات امکانیہ معانی عدمیہ ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ الاعیان ماشمت رائحۃ الوجود [اعیان نے وجود کی خوشبو کو نہیں سونگھا ہے] اس لئے وہ حقائق دراصل عدمات ہیں اور عدم[1]، وجود سے مختلف ہے اور ایجاب[2] اور سلب[3] کا تقابل، وجود وعدم میں ثابت ہے اور حقائق ممکنہ میں یہی غیریت کی حیثیت اور اثنینیت دوہونا کی صلاحیت خارجی اور ذہنی صورتوں کے ظہور کے باعث اور مرتبۂ واجب سے ممکنات کے باہمی امتیاز کا سبب ہوئی اور اس چیز

---

[1] عدم: جس کا وجود نہ ہو، اس سے مراد ذاتِ پاک ہے کیونکہ عدم کا عدم اثبات ہے اور حقیقت میں اثبات اور وجود بجز ذاتِ حق تعالیٰ کے کسی شے کا نہیں ہے۔
میر دردؔ نے عدم کو ظلمت سے تعبیر کیا ہے جو وجود کی نفی ہے۔ عدمات اعتباریہ بمعنی ظلمات۔
علم الکتاب۔ ص: ۱۰۷۔

[2] ایجاب: قبول کرنا۔

[3] سلب: نیست کرنا۔

نے ممکن کو واجب سے جدا اور الگ کر دیا۔ چنانچہ اس بنا پر عینیت اور اتحاد[۱] اور وجود کی موجودات کے ساتھ یگانگت کی نسبت، ذہن اور خارج میں موجودات کی موجودیت کا سبب بن کر وجود کے مرتبہ میں داخل ہو گی۔ ورنہ وہ عدم محض تھے اور موجودات اور معدومات میں کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی تھی۔ فافہم و لا تغفل [سمجھ لیجئے اور غفلت میں نہ پڑیئے]۔

لہذا دین کے مقتدا، پیشوا، اکابر اور ارباب تمکین جو اِن دونوں حیثیتوں کو نگاہ میں رکھنے والے اور اتحاد اور امتیاز[۲] دونوں کے پہلوؤں کو ہمہ وقت نظر میں رکھتے ہیں، تنزیہ[۳] و تشبیہ[۴] کے جامع، عینیت اور غیریت کے راز کے واقف کار ہیں۔

---

[۱] اتحاد: حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی میں سالک کے مستغرق و محو ہونے کو کہتے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وجودِ مطلق اس طرح پر مشاہدہ ہو کہ تمام موجودات و افرادِ عالم حق تعالیٰ کی ہستی سے موجود ہیں۔ اور اس کے عین ہیں اور خود کوئی ہستی نہیں رکھتے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۹۔ ۱۰، ۱۴۔

[۲] امتیاز: علیحدگی، بیگانگت۔ خدا اور بندہ کے درمیان عبد اور معبود کا رشتہ پایا جاتا ہے، خدا خدا ہے اور بندہ بندہ۔ امتیاز، اتحاد کی ضد ہے۔

[۳] تنزیہ: اس کے کئی معنی ہیں (۱) ذاتِ باری تعالیٰ کو جملہ عیوب و نقائص امکانیہ سے پاک جاننا (۲) تعیّنات سے بالا درجہ (جس کو احدیت اور ذات بحت اور وجود مطلق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) مرتبہ تنزیہ کہلاتا ہے کیوں کہ ذات اس مرتبہ میں، ہر اسم و ہر صفت سے مبرّا و منزہ ہے اور بعض مرتبہ وحدت اور مرتبۂ واحدیت کو بھی مرتبۂ تنزیہ کہتے ہیں۔ (۳) ذات حق سبحانہ باوجود مختلف شانوں میں ظاہر ہونے کے اپنی صفات و اسماء میں آشکار ہونے کے بھی ویسے ہی منزّہ ہے۔ الآن کما کان اسی طرف اشارہ کرتا ہے کیوں کہ ذات کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں ہے۔ علم الکتاب۔ ص: ۳۵۹۔

[۴] حق تعالیٰ کی ذات کے مراتب ظہور کو تشبیہات کہتے ہیں۔ بعض تعینات اور تنزّلات خارجی یعنی عالمِ ارواح، عالم مثال، عالم اجسام کو مراتب تشبیہیہ کہتے ہیں۔

فرق[1] اور جمع[2] کی کیفیات کے حامل ہیں اور جنھوں نے سکر[3]، صحو[4]، عروج ونزول[5-6]، جذب[7] وسلوک[8]، فنا[9] وبقا[10] اور ولایت کی قربتوں اور نبوت کے کمالات کے مرتبے بمفصل طور

---

[1] فرق: مشاہدہ خلق بلا حق اور بعض کہتے ہیں کہ مشاہدہ عبودیت کا نام فرق ہے۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۸۳ - ۲۸۴۔

[2] جمع: شہودِ حق بلا خلق کو کہتے ہیں۔ علم الکتاب، ص: ۲۸۳ - ۲۸۴۔

[3] سُکر: محبوب کے جمال کے مشاہدہ کے وقت مست وبے خود ہوجانا اور عقل اور عشق سے مغلوب ہوجانا، اور اس نوبت پر پہنچ جانا کہ اس کو عاشق ومعشوق کی تمیز نہ رہے۔ یہی وہ حالت تھی کہ حضرت منصور سے انا الحق اور حضرت بایزید بسطامی سے سبحانی ما اعظم شانی صادر ہوا تھا۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۸۳ - ۲۸۴۔

[4] صحو: سالک کا انتہار توحیدِ حقیقی میں پہنچ کر فرقِ مراتب سے غافل نہ ہونا۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۸۲۔

[5-6] عروج ونزول: ذاتِ باری تعالیٰ کا تعین اول یعنی مرتبۂ وحدت میں ظہور پذیر ہونا اور وحدت سے واحدیت میں اور واحدیت سے عالمِ ارواح اور عالم مثال میں اور عالم مثال سے عالمِ اجسام میں ظہور فرمانا، نزول کہلاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ذات مرتبۂ احدیت صرفہ سے اپنی شانوں اور گوناں گوں صفات میں تنزل فرمارہی ہے اور سالک کا عالمِ اجسام سے ذات صرفہ کی طرف ترقی کرنا عروج کہلاتا ہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۹۹۔

[7] جذبہ: کشش حق تعالیٰ بغیر سعیٔ حق تعالیٰ کا بندہ کو اپنی طرف کھینچ لینا۔

[8] سلوک: طلب قرب حق تعالیٰ۔ برائے تفصیل دیکھئے۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۶۱۔

[9-10] فنا وبقا: سالک کا اپنی ہستی دوجود اضافی کو فنا کرکے وجودِ حقیقی ذات حق سبحانہ کے ساتھ بقا حاصل کرنا۔ بقا باللہ ہو جانا، یعنی نور بصیرت سے اپنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پرطے کئے گئے ہیں اور تفصیل سے انھیں دیکھا۔ یہ بزرگ لوگ اپنے زمانے کے لوگوں کی استعداد کے تقاضے کے مطابق حقیقت کا بیان اس طور پر کرتے ہیں جو ان کے حال اور انجام کو بہتر بنائے اور دارین [دنیا و آخرت] کے لئے مفید ہو اور ان کی نگاہوں پر پڑے پردے اٹھاتے ہیں اور سیدھے راستے کی طرف، جو اعتدال کا سیدھا راستہ ہے، اپنے زمانے والوں اور اپنے ہم عصر لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور خیر کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ چوں کہ حضرت شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں علمارِ قشر[1] اور فضلائے ظاہر ہجوری اور محجوبی[2] کی وجہ سے حقیقت کے ادراک سے محروم اور قربت کی بساط سے دور ہو چکے تھے اور اپنی خودی کے حجاب کو دور نہیں کر پاتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں اثنینیت اور بطون میں غیریت نے اس قدر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اتنی راسخ اور محکم ہو چکی تھی کہ وہ لوگ خالق اور مخلوق، صانع اور مصنوع کے درمیان اسی طرح کی نسبت سمجھنے لگے تھے کہ جس طرح کی نسبت بنا رعمارت اور معمار اور گھڑے اور کمہار کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اسی نسبت کو ثابت بھی کیا کرتے تھے۔ غیریت کذائیہ[3] کو غیریت ممکنات[4] کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وجود اضافی کو عدم محض جاننا، فنا ہے۔ اور صرف ذات سبحانہ [جو وجود حقیقی ہے] کو موجود جاننا بقا ہے۔ برائے تفصیل دیکھئے۔ اقسام فنا۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۱۵۔ وارد ۵۸، ص: ۳۱۸، ۷۵۴۔

[1] قشر: ظاہری علوم کو کہتے ہیں۔ علمارِ قشر، ماہرین علوم ظاہری۔ اصطلاحات صوفیہ: ص ۱۱۸۔

[2] محجوبی: حجاب۔ ہر وہ چیز جو عاشق کو معشوق کی طرف سے روکے، محبت دنیا کا دل میں جاگزیں ہونے کو حجاب کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۴۹۔

[3] غیریت کذائیہ: غیر۔ ماسوا اللہ کو غیر کہتے ہیں۔ اس کی آٹھ قسمیں ہیں۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۰۱-۱۰۳۔

[4] غیریت ممکنات: ماسوا اللہ کو ممکن کہتے ہیں۔ غیریت ممکنات کے یہ معنی ہیں کہ ممکنات، واجب تعالیٰ سے غیر ہیں۔

کے مانند ایک دوسرے سے جدا گمان کیا کرتے تھے ۔ وجود ممکن کو مستقل اور وجود کے ذریعے جو چیز قائم ہے اس سے علحدہ خیال کرتے تھے ۔ ان کی یہ بات شرک کی طرف لے جانے والی ہے ۔ اُن کا اس طرح سمجھنا ایک عجیب سی بات ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے کمالات کی تمام صفات[1] کو اُس ممکنات کی صفاتِ ناقصہ کی طرح نہیں سمجھتے اور اس واحدِ حقیقی کو واحدِ عددی[2] کی طرح نہیں جانتے تاہم خالق کی مخلوق سے غیریت کو اس طرح نہیں سمجھتے جس طرح عمارت اور معمار، گھڑے اور کمہار میں نسبتِ غیریت پائی جاتی ہے ۔ نعوذ باللہ منہ [اس بات سے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اس طرح سوچیں] ۔ ایسی صورت میں فنا اور بقا اور اللہ تعالیٰ سے نسبت اور قرب اور مشاہدہ ، استغراق اور حضوری میں استہلاک[3] اور اضمحلال ،

---

[1] صفات : ظہورِ ذات کو صفت کہتے ہیں ۔ ان کی چند قسمیں ہیں : برائے تفصیل ملاحظہ ہو ۔ اصطلاحات صوفیہ ۔ ص : ۸۵ ـ ۸۶ ۔

[2] میر عبدالواحد بلگرامی نے توحید مطلق کی بحث میں لکھا ہے کہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحدِ حقیقی ہے ، وہ واحدِ عددی نہیں ہے ۔ کیونکہ واحدِ عددی قابلِ تجزی و تبعیض ہے ۔ اور واحدِ حقیقی تجزی اور تبعیض سے مبرّا اور منزہ ہے اور واحدِ عددی کی نسبت جملہ اعداد سے ہوتی ہے ۔ مثلاً : نصف الاثنین ، ثلث الثلث اور ربع الاربع وغیرہ ۔ جس عدد کو فرض کرتے ہیں ، وہ واحدِ عددی کا ایک جز ہوتا ہے یعنی اکائیوں میں سے اکائی ۔ اس لیے اکائی کی نسبت جملہ اعداد سے ہوتی ہے اور واحدِ حقیقی کو اعداد سے کسی قسم کی نسبت نہیں ہوتی ہے ۔ یہ بھی ہے کہ واحدِ عددی تمام اعداد میں شامل ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس واحدِ حقیقی اس قسم کی نسبتوں سے منزہ اور پاک ہے ۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو ۔ سبع سنابل ۔ ص : ۱۴۹ ـ ۱۵۰ ، علم الکتاب ۔ ص : ۶۳۱ ـ ۶۳۲ ۔

[3] استہلاک : مستہلک ، وہ طالبِ حق اور عاشقِ ذات ہے جس نے دوئی و اپنی خودی و جملہ اعتبارات و اضافات کو مٹا کر بالکل مستغرق اور فنا فی الذات ہو گیا ۔ علم الکتاب ۔ ص : ۱۴۰ ۔

ولایت اور تقرب کا وہ راستہ بالکل اور سراسر بند ہو جاتا ہے جس سے اولیاء اللہ کے توسط سے بندوں کا تعلق حق سبحانہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس لیے شیخ اکبر اور ان کے تابعین نے، جو صاحبِ نسبت تھے، اسرارِ عینیت کے فلسفے کو مجبوراً تفصیل سے بیان کیا اور وحدۃ الوجود کے معارف قلم بند کئے اور اثنینیت اور غیریت کو اپنے خیال میں نظروں سے پوشیدہ رکھا اور کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کا دروازہ کھول دیا تاکہ ظاہر بیں اور صورت شناس حضرات اپنے باطن کی طرف رجوع ہوں اور مفہوم کو سمجھ لیں، حقیقت کی طرف دیکھیں اور ماسوا اللہ سے اپنا تعلق توڑ لیں۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز وجعل سعیہ مشکورا کے زمانے میں عینیت اور اتحاد کی نسبت اس دور کے لوگوں پر اس حد تک غالب آچکی تھی کہ اس حال کی کیفیت سے نابلد اکثر جہلا اور پریشان خاطر مقلدین صرف قال پر اکتفا کرنے لگے تھے اور انھوں نے اپنے قلب کو ماسوا اللہ کی گرفتاری سے آزاد نہ کیا تھا اور تصفیۂ قلب[۱] اور تزکیۂ نفس[۲] پر عمل نہ کرتے تھے۔ اس لیے گمراہی کے شکار تھے۔ عبد[۳] و معبود[۴]، خالق و مخلوق، حلال اور حرام، مشروع اور غیر مشروع

---

[۱] تصفیۂ قلب، دل کی صفائی۔ دل کا ماسوا اللہ سے پاک کرنا اور دل میں غیر اللہ کو جگہ نہ دینا۔

[۲] نفس کو صفات ذمیمہ سے پاک رکھنا، ماسوا اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہونا اور غیر کا شعور باقی نہ رہنا۔ جس سے عبارت اعتباریہ کونیہ کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اگر اس عالم کی طرف جس کا نام بالغیر ہے بالکل التفات نہ رہے، اس کو تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کہتے ہیں۔
علم الکتاب۔ ص: ۱۱۴۔

[۳] ہر مرتبۂ ظہور کو عبد کہتے ہیں۔

[۴] معبود: جس کی عبادت کی جائے۔

ہیں وہ لوگ کسی قسم کا فرق نہ کرتے تھے ۔ اور ان باتوں کو انھوں نے عوام میں پھیلا دیا ہے ۔ فی الواقع اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اُن تمام علویہ[1]، سفلیہ[2]، مجردیہ[3]، مادیہ[4]، ذہنیہ[5] اور خارجیہ[6] موجودات سے دور از دور ہے جس طرح کہ وجود کلی طبعی[7] کا ظاہر میں بذات خود اپنا کوئی وجود نہیں ہے، وہ لوگ افراد اور اپنے جزئیات کے بارے میں اسے موجود سمجھتے ہیں۔ تعالی اللہ عما یصفون ۔ اس سبب سے حضرت مجدد [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] نے جو کمالات نبوت سے مشرف تھے، نسبتِ اثنینیۃ اور غیریت کے مراتب کے اثبات کا صرف اظہار کیا تھا اور اس مفہوم کو ٹھوس اور مضبوط کرنے کے لئے انھوں نے نئی اور اچھی تحقیقات کیں اور نئی اصطلاحات بیان کر کے نظریہ وحدت الشہود کے بارے میں لکھا تھا تاکہ بے دین اور ملحد لوگ، جو متقدمین صوفیہ کے اقوال کی پیروی میں اپنے کو مؤحدین میں شمار کرتے ہیں، تشبیہ سے نکل کر تنزیہ کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور اپنے محسوسات اور معقولات کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اس مرتبے پر ایمان لے آئے تھے اور اس سے نسبت پیدا کر لی تھی جو حس اور عقل سے دور ہے اور مجہول الکیفیت[8] کی نسبت پیدا کر لی تھی اور انھوں نے اس

---

[1] علوی : آسمانی [2] سفلی : دنیوی

[3] مجردہ : حکمار کی اصطلاح میں وہ شئے جو مادہ سے پاک ہو، جیسے فرشتہ، ارواح۔

[4] مادیہ : مادی۔

[5] ذہنی : باطنی۔

[6] خارجیہ : ظاہری، باہری

[7] وجودِ کلی طبیعی : یہ منطق کی اصطلاح ہے کہ اس کے نفس تصور کا مفہوم شرکت کا مانع نہ ہو۔ اور کلی طبیعی جو اس معنی میں صادق آتا ہے۔

[8] ایسی کیفیت جس میں کسی بات کا خیال نہ رہے۔

مرتبۂ قصوی اور اس عالی مقدس ذات سے قرب[۱] اور معیت[۲] کی حالت پیدا کرلی تھی اور کمالات نبوت کی قربت سے بہرہ مند ہو گئے تھے۔

(باقی آئندہ)

---

[۱] اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۱۳-۱۱۴۔

[۲] معیت: صوفیاء کرام کے ہاں یہ مسئلہ معیت بڑی اہمیت رکھتا ہے چنانچہ قرآن میں آیا ہے: وھو معکم اینما کنتم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو کیونکہ ذات حق تعالیٰ سے الگ اس کی صفات واسماء کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی ہیں اور جملہ کائنات اسماء وصفات سے ظہور ہی کا نام ہے۔ لہٰذا ذات باری تعالیٰ جملہ موجودات کے ساتھ ہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳۰-۱۳۱

ایک اعلان

حضرت قبلہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی مکمل صحت یابی کیلئے دعا کی درخواست

جیساکہ آپ لوگوں کے علم میں ہے کہ حضرت قبلہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہ العالی تقریباً دو سال سے سخت علیل ہیں اور دوران علالت خاص طور پر آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں ڈیڑھ ماہ داخل رہنے کی بنا پر ندوۃ المصنفین کے ممبران اور رسالہ برہان کے خریداروں اور تجارتی امور پر مکتبہ برہان کے خطوط کے جوابات یا وقت پر آرڈروں کی تعمیل نہ ہونے پر ندوۃ المصنفین ومکتبہ برہان دہلی کا جنرل منیجر آپ سے معذرت خواہ ہے۔ نیز رسالہ برہان کا تاخیر سے شائع ہونا بھی اس میں شامل ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خیریت کی اطلاع اخبارات میں برابر دی جارہی ہے۔ آپ اس سلسلے میں محض اس پر ہی اکتفا کریں، خط کے جواب کے منتظر نہ رہیں۔